PD-APRIL – 2026

سورہ المجادلۃ 5 تا 13

ترجمہ و تفسیر تفھیم القرآن

اِنَّ الَّذِيْنَ يُحَآدُّوْنَ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ كُبِتُوْا كَمَا كُبِتَ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ وَقَدْ اَنْزَلْنَآ اٰيٰتٍۭ بَيِّنٰتٍ ۭ وَلِلْكٰفِرِيْنَ عَذَابٌ مُّهِيْنٌ ۝

جو لوگ اللہ اور اس کے رسول کی مخالفت کرتے ہیں 14 وہ اسی طرح ذلیل و خوار کر دیئے جائیں گے جس طرح ان سے پہلے کے لوگ ذلیل و خوار کیے جا چکے ہیں 15 ہم نے صاف صاف آیات نازل کر ہی ہیں، اور کافروں کے لیئے ذلت کا عذاب ہے 16۔

سورۃ الْمُجَادِلَة حاشیہ نمبر:14

مخالفت کرنے سے مراد اللہ کی مقرر کی ہوئی حدوں کو نہ ماننا اور ان کے بجائے کچھ دوسری حدیں مقرر کر لینا ہے۔ ابن جریر طبری اس آیت کی تفسیر یہ کرتے ہیں : ای یخالفون فی حدودہ و فرائضہ فیجعلون حدوداً غیر حدودہ۔ " یعنی وہ لوگ جو اللہ کی حدود اور اس کے فرائض کے معاملہ میں اس کی مخالفت کرتے ہیں اور اس کی مقرر کی ہوئی حدوں کی جگہ دوسرے حدیں تجویز کر لیتے ہیں "۔ بیضاوی نے اس کی تفسیر یہ کی ہے : ای یعادو نھما ویشاقونھما او یضعون او یختارون حدوداً غیر حدودھما۔ " یعنی اللہ اور اس کے رسول سے مخاصمت اور جھگڑا کرتے ہیں، یا ان کی مقرر کی ہوئی حدوں کے سوا دوسری حدیں خود وضع کر لیتے ہیں یا دوسروں کی وضع کردہ حدوں کو اختیار کرتے ہیں "۔ آلوسی نے روح المعانی میں بیضاوی کی اس تفسیر سے اتفاق کرتے ہوئے شیخ الاسلام سعد اللہ چلپی کا یہ قول نقل کیا ہے کہ " اس آیت میں ان بادشاہوں اور حکام سوء کے لیے سخت وعید ہے جنہوں نے شریعت کی مقرر کردہ حدود کے خلاف بہت سے احکام وضع کر لیے ہیں اور ان کا نام قانون رکھا ہے "۔ اس مقام پر علامہ آلوسی شرعی قوانین کے مقابلے میں وضعی قوانین کی آئینی (یعنی اسلامی نقطہ نظر آئینی) حیثیت پر مفصل بحث کرتے ہوئے لکھتے ہیں :

" اس شخص کے کفر میں تو کوئی شک ہی نہیں ہے جو اس قانون کو مستحسن اور شریعت کے مقابلہ میں افضل قرار دیتا ہے، اور کہتا ہے کہ یہ زیادہ حکیمانہ اور قوم کے لیے زیادہ مناسب و موزوں ہے، اور جب کسی معاملہ میں اس سے کہا جائے کہ شریعت کا حکم اس کے بارے میں یہ ہے تو اس پر غصے میں بھڑک اٹھتا ہے، جیسا کہ ہم نے بعض ان لوگوں کو دیکھا ہے جن پر اللہ کی پھٹکار پڑی ہوئی ہے "۔

سورۃ الْمُجَادِلَة حاشیہ نمبر:15

اصل میں لفظ کُبِتَ استعمال ہوا ہے جس کے معنی ہیں رسوا کرنا، ہلاک کرنا، لعنت کرنا، راندہ درگاہ کر دینا دھکے دے کر نکال دینا، تذلیل کرنا۔ ارشاد الٰہی کا مدعا یہ ہے کہ اللہ اور اس کے رسول کی مخالفت اور اس کے احکام سے بغاوت کا جو انجام پچھلے انبیاء کی امتیں دیکھ چکی ہیں اس سے وہ لوگ ہر گز نہ بچ سکیں گے جو اب مسلمانوں میں سے وہی روش اختیار کریں۔ انھوں نے بھی جب خدا کی شریعت کے خلاف خود قوانین بنائے، یا دوسروں کے بنائے ہوئے قوانین کو اختیار کیا تب اللہ کے فضل اور اس کی نظر عنایت سے وہ محروم ہوئے، اور اسی کا نتیجہ یہ ہوا کہ ان کی زندگی ایسی گمراہیوں، بد

درازیوں اور اخلاقی و تمدنی برائیوں سے لبریز ہوتی چلی گئی جنہوں نے بالآخر دنیا ہی میں ان کو ذلیل و خوار کر کے چھوڑا۔ یہی غلطی اگر اب امت محمدیہ کرے تو کوئی وجہ نہیں کہ یہ مقبول بارگاہ بنی رہے اور اللہ اسے ذلت کے گڑھے میں گرنے سے بچائے چلا جائے۔ اللہ کو نہ اپنے پچھلے رسولوں کی امت سے کوئی عداوت تھی، نہ اس رسول کی امت سے اس کا کوئی مخصوص رشتہ ہے۔

سورۃ الْمُجَادِلَۃ حاشیہ نمبر :16

سیاق عبارت پر غور کرنے سے یہ بات مترشح ہوتی ہے کہ یہاں اس روش کی دو سزاؤں کا ذکر ہے۔ ایک کبت، یعنی وہ خواری و رسوائی جو اس دنیا میں ہوئی اور ہو گی۔ دوسرے عذاب مہین، یعنی ذلت کا وہ عذاب جو آخرت میں ہونے والا ہے۔

تفسیر فی ظلال القرآن

پہلے پیرا گراف میں یہ بتایا گیا تھا کہ اللہ اہل اسلام کے ساتھ کس قدر مہربانی کرنے والا ہے اور جماعت مسلمہ کے مسائل حل کرنے کے لیے وہ ہر وقت تیار ہے۔ یہ دوسرا پیرا گراف کافروں کی سرکوبی کے لیے ہے۔ ان لوگوں کے لیے جو اللہ اور رسول اللہ کی دشمنی پر اتر آئے ہیں یعنی وہ مسلمانوں کی حدود پر متضاد اور مخالفانہ موقف اختیار کرتے ہیں اور محاذ آرائی کرتے ہیں۔ پہلے چونکہ حدود اللہ کا ذکر ہے اور حدود پر جو جھگڑتا ہے وہ دشمن ہوتا ہے یعنی سرحدوں پر جو لڑتا ہے اس لیے یہاں ایسے دشمنان اسلام کا ذکر کر دیا گیا۔ جو رسول اللہ کے مقابلے میں حد پر کھڑے ہیں اور مقابلے کی تیاریاں کر رہے ہیں۔ اس سے دو مقابل فریقوں کی ایک تصویر دی گئی جو حدود پر لڑتے ہیں۔ اس سے کافروں کے اس فعل کی قباحت اور گھناؤنے پن کا اظہار مقصود ہے۔ اس لیے کہ یہ لوگ اپنے خالق اور رازق سے لڑنے نکل آئے ہیں اور انھوں نے اللہ کی حدوں پر اپنی شیطانی افواج جمع کر رکھی ہیں۔

کبتوا۔۔ قبلھم (۸۵ : ۵) "اسی طرح ذلیل و خوار کر دیئے جائیں گے جس طرح ان سے پہلے کے لوگ ذلیل و خوار کیے جا چکے ہیں۔" راجح بات یہ ہے کہ یہ ایسے لوگوں کے لیے بددعا ہے اور اللہ کی طرف سے بددعا دراصل حکم الٰہی ہی ہوتا ہے۔ کیونکہ اللہ تو فعال لمایرید ہے۔ کبت کے معنی قہر نازل ہونے اور ذلیل کرنے کے ہیں۔ پہلے لوگوں سے مراد یا تو وہ ہیں جو گزر چکے، انبیائے سابقہ کی امتیں۔ جن کو اللہ نے اسی جرم میں پکڑ لیا ان سے مراد وہ مشرکین اور یہود ہیں جن کو مسلمانوں کے ذریعہ اللہ نے ذلیل کر دیا تھا، ان آیات کے نزول سے پہلے، مثلاً غزوہ بدر میں۔

وقد۔۔ بینت (۸۵ : ۵) "ہم نے تو صاف صاف آیات نازل کر دی ہیں۔" اس آیت میں ان لوگوں کے انجام کو مفصل اور جدا کر کے بیان کیا ہے جو اللہ اور رسول سے دشمنی کرتے ہیں۔ دنیا میں بھی اور آخرت میں بھی۔ یہ اس لیے کہ یہ انجام جو ان آیات میں بیان ہوا ہے وہ لوگ اس انجام تک کسی جہالت کی وجہ سے نہیں پہنچ رہے یا اس لیے اس انجام تک نہیں پہنچ گئے کہ ان کی سمجھ میں بات نہیں آئی۔ بلکہ ان کو بات بڑی وضاحت کے ساتھ سمجھا دی گئی تھی۔ اس کے بعد ان کا اخروی انجام نہایت ہی سبق آموز انداز میں لایا جاتا ہے تاکہ اہل ایمان کی اصلاح اور تربیت ہو۔

وللکفرین۔۔ شھید (۸۵ : ۶) "اور کافروں کے لیے ذلت کا عذاب ہے۔ اس دن (یہ ذلت کا عذاب ہونا ہے) جب اللہ ان سب کو پھر سے زندہ کر کے اٹھائے گا۔ اور انھیں بتادے گا کہ وہ کیا کچھ کر کے آئے ہیں۔ وہ بھول گئے ہیں مگر اللہ نے ان کا سب کیا دھرا گن گن کر محفوظ کر رکھا ہے اور اللہ ایک ایک چیز پر شاہد ہے۔"

یہاں تو توہین آمیز عذاب، ان کے تکبر کے بدلے، ان کو دیا جائے گا۔ جب لوگوں کو اللہ اٹھائے گا تو ان نام نہاد بڑوں کو اللہ عوام کے سامنے توہین آمیز عذاب دے گا۔ یہ وہ عذاب ہو گا جو حق پر دیا جائے گا۔ اور ان کا مفصل اعمال نامہ اس کی پشت پر ہو گا جسے یہ اس دن بڑی بے پرواہی سے بھول جائیں گے۔ حالانکہ اللہ نے اسے یوں تیار کیا ہو گا کہ اس میں سے کوئی چیز بھی باقی نہ رہی ہو گی کیونکہ اللہ تو سب کچھ جانتا ہے۔

وللہ۔۔شھید (۸۵ : ۶) "اور اللہ ہر ایک چیز پر گواہ ہے۔"

یہاں رعایت اور فضل و کرم اور جنگ اور انتقام کی دونوں تصاویر آمنے سامنے ہیں۔ اللہ کا علم اور موجودگی ہر جگہ ہے۔ وہ رعایت امداد اور مہربانی کے لیے بھی حاضر ہے اور وہ جنگ اور انتقام اور دشمنوں کو عذاب دینے کے لیے بھی حاضر ہے۔ لہٰذا اللہ کے حضوری اور موجودگی پر اہل ایمان مطمئن ہو جائیں اور کافر اور دشمن خوفزدہ ہو جائیں۔

یہ کہ اللہ ہر چیز پر شاہد ہے۔ اب یہاں اس کی ایک زندہ تصویر پیش کی جاتی ہے۔ یہ اس قدر موثر ہے کہ قلب و شعور کی تاروں میں اضطرابی کیفیت پیدا ہو جاتی ہے۔

يَوْمَ يَبْعَثُهُمُ اللّٰهُ جَمِيْعًا فَيُنَبِّئُهُمْ بِمَا عَمِلُوْا ۭ اَحْصٰىهُ اللّٰهُ وَنَسُوْهُ ۭ وَاللّٰهُ عَلٰي كُلِّ شَيْءٍ شَهِيْدٌ ۝

اس دن (یہ ذلت کا عذاب ہونا ہے) جب اللہ ان سب کو پھر سے زندہ کر کے اٹھائے گا اور انھیں بتادے گا کہ وہ کیا کچھ کر کے آئے ہیں۔ وہ بھول گئے ہیں مگر اللہ نے ان کا سب کیا دھرا گن گن کر محفوظ کر رکھا ہے 17۔ اور اللہ ایک ایک چیز پر شاہد ہے۔ ع

تفسیر تفہیم القرآن

سورۃ الْمُجَادِلَة حاشیہ نمبر:17

یعنی ان کے بھول جانے سے معاملہ رفت گزشت نہیں ہو گیا ہے۔ ان کے لیے خدا کی نافرمانی اور اس کے احکام کی خلاف ورزی ایسی معمولی چیز ہو سکتی ہے کہ اس کا ارتکاب کر کے اسے یاد تک نہ رکھیں، بلکہ اسے کوئی قابل اعتراض چیز ہی نہ سمجھیں کہ اس کی کچھ پروا انھیں ہو۔ مگر خدا کے نزدیک یہ کوئی معمولی چیز نہیں ہے۔ اس کے ہاں ان کا ہر کرتوت نوٹ ہو چکا ہے۔ کس شخص نے، کب، کہاں، کیا حرکت کی، اس حرکت کے بعد اس کا اپنا رد عمل کیا تھا، اور اس کے کیا نتائج، کہاں کہاں کس کس شکل میں برآمد ہوئے، یہ سب کچھ اس کے دفتر میں لکھ لیا گیا ہے۔

تفسیر فی ظلال القرآن

اس دن (یہ ذلت کا عذاب ہونا ہے) جب اللہ ان سب کو پھر سے زندہ کر کے اٹھائے گا۔ اور انھیں بتادے گا کہ وہ کیا کچھ کر کے آئے ہیں۔ وہ بھول گئے ہیں مگر اللہ نے ان کا سب کیا دھرا گن گن کر محفوظ کر رکھا ہے اور اللہ ایک ایک چیز پر شاہد ہے۔"

تفسیر عروۃ الوثقی — عبدالکریم اثری

جب ان کو دوبارہ زندہ کیا جائے گا تو بات بالکل واضح ہو جائے گی

۶۔ وہ دن جب اللہ تعالیٰ ان سب کو دوبارہ زندہ کر دے گا اور ظاہر ہے کہ ان میں وہ بھی ہوں گے جو سچے مسلمان ہیں، وہ بھی ہوں گے جو نام کے مسلمان اور کام کے کافر یعنی منافق سے ہوں گے اور کھلے منکر بھی جن کو اسلام نے کافر ہی سے خطاب کیا ہے اور وہ بھی ہوں گے جو علمائے قوم یا علمائے اسلام کے نام سے موسوم کیے جاتے ہیں لیکن عوام کو خوش کرنے کے لیے حلال کو حرام اور حرام کو حلال کرتے رہتے ہیں اور بلاشبہ وہاں

علمائے حق بھی ہوں گے اور سب کے اعمال اور اقوال و افعال کھول کھول کر سامنے رکھ دیئے جائیں گے کیونکہ ان سارے انسانوں کا مکمل ریکارڈ (Record) اللہ تعالیٰ کے ہاں محفوظ ہے۔ کفار، فاسق اور منافق جو احکام الٰہی کا انکار کرتے ہیں اور ان سے منہ پھیر لیتے ہیں شاید ان کی نظروں میں یہ غیر اہم باتیں ہوں اور ظاہر ہے کہ جب دل میں ایمان و یقین کی دولت موجود نہ ہو تو وہ اسی طرح سمجھتا ہے اور جو کچھ کرتا ہے وہ محض معاشرتی پابندی کے باعث کرتا ہے ورنہ اس کے نزدیک حلال و حرام اور جائز و ناجائز کی کوئی بحث ہی نہیں ہے اس لیے وہ سمجھتے ہیں کہ کون ہماری ان حرکتوں کو محفوظ رکھ رہا ہے بس یہ تو ایسے ہی ایک بات ہے جو پرانے زمانے سے ہوتی چلی آرہی ہے لیکن اس طرح کی سوچ ان کی غلط فہمی ہے۔ اللہ تعالیٰ نے ان کی تمام حرکتوں کو گن گن کر محفوظ کر رکھا ہے جو یہ لوگ کہہ کر اور کر کے بھول گئے ہیں۔ قیامت کے روز جب ان کو اٹھا کر میدان حشر میں لایا جائے گا تو ان کے ایک ایک کرتوت پر ان کو آگاہ کر دیا جائے گا اگرچہ اس وقت کی آگاہی ان کے لیے کچھ مفید ثابت نہیں ہو گی بلکہ ان کو حسرت اور افسوس ہی ہو گا اور عذاب الٰہی میں ڈال کر ان کے حسرت و افسوس میں وہ اضافہ کر دیا جائے گا جو کبھی ان کا پیچھا چھوڑنے والا نہیں ہو گا خواہ وہ چیخیں یا چلائیں اور خواہ صبر کر کے اسی حالت پر قانع ہو جائیں۔

بہر حال زیر نظر آیت میں جو بات زور دے کر فرمائی جارہی ہے وہ یہ ہے کہ تمہارے سارے اعمال اللہ رب کریم کے ہاں محفوظ ہیں تم خواہ ان کو کرنے کے بعد بھول چکے ہو لیکن اللہ تعالیٰ ان کو نہیں بھولا کیونکہ وہ ذات بھولنے سے پاک ہے اور اس کا مطلب واضح ہے کہ تمہاری ایک ایک حرکت تم کو بتادی جائے گی اور اس کا بدلہ بھی دیا جائے گا اور تمہارے اعمال میں سے کچھ ضبط کر لیا گیا تو اس کے متعلق بھی تم کو وضاحت پیش کی جائے گی کہ تمہارے یہ اچھے اعمال تھے لیکن اس وجہ سے ان کو ضائع کر دیا گیا ہے اور ان کے ضائع کرنے سے قبل ہی تم کو ان کے ضائع کرنے کی وجہ بتارہے ہیں۔ رہی یہ بات کہ تم کو ہمارے کہنے پر ابھی بھی یقین نہیں آرہا حالانکہ تم کو اچھی طرح معلوم ہے کہ اللہ ہر ایک چیز پر قادر ہے وہی تم کو پہلی بار پیدا کرنے والا ہے اور وہی تم کو دوسری بار بھی پیدا کرے گا۔

اَلَمْ تَرَ اَنَّ اللّٰهَ يَعْلَمُ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ ۭ مَا يَكُوْنُ مِنْ نَّجْوٰى ثَلٰثَةٍ اِلَّا هُوَ رَابِعُهُمْ وَلَا خَمْسَةٍ اِلَّا هُوَ سَادِسُهُمْ وَلَآ اَدْنٰى مِنْ ذٰلِكَ وَلَآ اَكْثَرَ اِلَّا هُوَ مَعَهُمْ اَيْنَ مَا كَانُوْا ۚ ثُمَّ يُنَبِّئُهُمْ بِمَا عَمِلُوْا يَوْمَ الْقِيٰمَةِ ۭ اِنَّ اللّٰهَ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيْمٌ ۝

کیا 18 تم کو خبر نہیں ہے کہ زمین اور آسمان کی ہر چیز کا اللہ کو علم ہے ؟ کبھی ایسا نہیں ہوتا کہ تین آدمیوں ہیں کوئی سرگوشی ہوا اور ان کے درمیان چوتھا اللہ نہ ہو یا پانچ آدمیوں میں سرگوشی ہو اور ان کے اندر چھٹا اللہ نہ 19 ہو۔ خفیہ بات کرنے والے خواہ اس سے کم ہوں یا زیادہ، جہاں کہیں بھی وہ ہوں، اللہ ان کے ساتھ ہوتا ہے 20۔ پھر قیامت کے روز وہ ان کو بتادے گا کہ انھوں نے کیا کچھ کیا ہے۔ اللہ ہر چیز کا علم رکھتا ہے۔

تفسیر تفہیم القرآن

سورۃ الْمُجَادِلَة حاشیہ نمبر: 18

یہاں سے آیت 19 تک مسلسل منافقین کے اس طرز عمل پر گرفت کی گئی ہے جو انھوں نے اس وقت مسلم معاشرے میں اختیار کر رکھا تھا۔ وہ بظاہر مسلمانوں کی جماعت میں شامل تھے، مگر اندر ہی اندر انھوں نے اہل ایمان سے الگ اپنا ایک جتھا بنا رکھا تھا۔ مسلمان جب بھی انھیں دیکھتے، یہی دیکھتے کہ وہ

آپس میں سر جوڑے کھسر پسر کر رہے ہیں۔ انھیں خفیہ سرگوشیوں میں وہ مسلمانوں کے اندر پھوٹ ڈالنے اور فتنے برپا کرنے اور ہراس پھیلانے کے لیے طرح طرح کے منصوبے بناتے اور نئی نئی افواہیں گھڑتے تھے۔

سورۃ الْمُجَادِلَة حاشیہ نمبر:19

سوال پیدا ہوتا ہے کہ یہاں دو اور تین کے بجائے تین اور پانچ کا ذکر کس مصلحت سے کیا گیا ہے؟ پہلے دو اور پھر چار کو کیوں چھوڑ دیا گیا؟ مفسرین نے اس کے بہت سے جوابات دیے ہیں، مگر ہمارے نزدیک صحیح بات یہ ہے کہ یہ طرز بیان دراصل قرآن مجید کی عبارت کے ادبی حسن کو برقرار رکھنے کے لیے اختیار کیا گیا ہے۔ اگر ایسا نہ کیا جاتا تو عبارت یوں ہوتی: مَایَکُوْنُ مِنْ نَّجْوٰی اثْنَیْنِ اِلَّا ھُوَ ثَالِثُھُمْ وَلَا ثَلٰثَۃٍ اِلَّا ھُوَ رَابِعُھُمْ۔ اس میں نَجْوٰی اثْنَیْن بھی کوئی خوبصورت ترکیب نہ ہوتی اور ثالث اور ثلٰثۃ کا یکے بعد دیگرے آنا بھی حلاوت سے خالی ہوتا۔ یہی قباحت اِلَّا ھُوَ رَابِعُھُمْ کے بعد وَلَا اَرْبَعَۃٍ کہنے میں بھی تھی۔ اس لیے تین اور پانچ سرگوشی کرنے والوں کا ذکر کرنے کے بعد دوسرے فقرے میں اس خلا کو یہ کہہ کر بھر دیا گیا کہ وَلَآ اَدْنٰی مِنْ ذٰلِکَ وَلَآ اَکْثَرَ اِلَّا ھُوَ مَعَھُمْ۔ سرگوشی کرنے والے خواہ تین سے کم ہوں یا پانچ سے زیادہ، بہر حال اللہ ان کے ساتھ موجود ہوتا ہے۔

سورۃ الْمُجَادِلَة حاشیہ نمبر:20

یہ معیت درحقیقت اللہ جل شانہ کے علیم و خبیر، اور سمیع و بصیر اور قادر مطلق ہونے کے لحاظ سے ہے، نہ کہ معاذ اللہ اس معنی میں کہ اللہ کوئی شخص ہے جو پانچ اشخاص کے درمیان ایک چھٹے شخص کی حیثیت سے کسی جگہ چھپا بیٹھا ہوتا ہے۔ دراصل اس ارشاد سے لوگوں کو یہ احساس دلانا مقصود ہے کہ خواہ وہ کیسے ہی محفوظ مقامات پر خفیہ مشورہ کر رہے ہوں ان کی بات دنیا بھر سے چھپ سکتی ہے مگر اللہ سے نہیں چھپ سکتی اور وہ دنیا کی ہر طاقت کی گرفت سے بچ سکتے ہیں مگر اللہ کی پکڑ سے نہیں بچ سکتے۔

تفسیر فی ظلال القرآن

آیت کا آغاز اس سے ہوتا ہے کہ اللہ کا علم اس کائنات کے بارے میں جامع ومانع ہے اور ہر چیز کو شامل ہے۔ انسانی فکر اس پوری کائنات کے اندر، آسمان کی دوریوں میں اور زمین کے اطراف میں ہر چیز تک چھوٹی ہو یا بڑی ظاہر ہو یا خفیہ معلوم ہو یا مجہول ہو، نہیں پہنچ سکتی جبکہ ہر چیز اللہ کے علم میں ہوتی ہے۔ یہ آیت انسانی فکر کو یوں دور تک لے جاتی ہے۔

اس کے بعد پھر ہماری فکر خود مخاطبین کے قلوب تک جا پہنچی ہے۔ ہر شخص کا قلب خزانہ خیالات ہے۔ اس کے بعد لوگوں کے خفیہ ترین مشورے دو، تین، چار یا پانچ یا کم وبیش آدمی جہاں اور جس محفل میں ہوں، وہاں تک لے جائی جاتی ہے۔

مایکون۔۔ماکانوا (۸۵ : ۷) "کبھی ایسا نہیں ہوتا کہ تین آدمیوں میں کوئی سرگوشی ہو اور ان کے درمیان چوتھا اللہ نہ ہو، یا پانچ آدمیوں میں سرگوشی ہو اور ان کے اندر چھٹا اللہ نہ ہو۔ خفیہ بات کرنے والے خواہ اس سے کم ہوں یا زیادہ، جہاں کہیں بھی وہ ہیں، اللہ ان کے ساتھ ہوتا ہے۔"

یہ بذات خود حقیقت ہے لیکن جن خوبصورت الفاظ میں اسے بیان کیا گیا ہے ان کی وجہ سے وہ بہت زیادہ موثر ہو جاتی ہے۔ ایسے انداز میں کہ کبھی تو انسان کا دل کانپ اٹھتا ہے اور کبھی اسے نہایت اطمینان ہوتا ہے کہ اللہ جل جلالہ بھی ہمارے ساتھ موجود ہے۔ جب بھی کوئی تین افراد الگ ہوئے کہ کوئی بات کریں تو فوراً یہ شعور ان کے اندر زندہ ہو جائے گا کہ ہمارے اندر اللہ چہارم ہے اور جب بھی کوئی پانچ جمع ہوں گے تو وہ محسوس کریں گے چھٹا اللہ ہے۔ غرض دو ہوں یا اور زیادہ، اللہ موجود ہوتا ہے۔

یہ ایک ایسی صورت حال ہے کہ انسان کا دل اس کے مقابلے میں کھڑا نہیں ہو سکتا، کانپ اٹھتا ہے۔ یہ درست ہے کہ اہل ایمان کے لیے یہ ایک مانوس بات ہے، یہ ان کے لیے کوئی انوکھی بات نہیں کیونکہ اہل ایمان کا یہ عقیدہ ہے کہ اللہ حاضر وناظر ہے لیکن یہ منظر نہایت خوفناک بھی ہے۔

ھو معھم این ماکانوا (۸۵ : ۷) "اللہ ان کے ساتھ ہے وہ جہاں کہیں بھی ہوں۔"

ثم ینبئھم ۔۔ القیمۃ (۸۵ : ۷) "پھر قیامت کے روز وہ ان کو بتادے گا کہ انھوں نے کیا کچھ کیا ہے۔" یہ ایک دوسری متزلزل کرنے والی چٹکی ہے، محض اللہ کا موجود ہونا اور تمام باتوں کو سننا بھی ایک خوفناک بات ہے لیکن یہ کہ ان باتوں کا بعد میں حساب و کتاب بھی دینا ہے، یہ اور زیادہ ہول ناک بات ہے۔ خصوصاً ایسے حالات میں جبکہ نجویٰ کرنے والوں کا مقصد یہ ہو کہ ان کا نجویٰ خفیہ رہ جائے۔ قیامت میں اس نجوی کی کارروائی کھلی عدالت میں پیش ہوگی اور سب لوگ وہاں حاضر ہوں گے کیونکہ وہ تو یوم المشہود ہے۔

اب خاتمہ بھی اسی بات پر ہوتا ہے، جس سے آغاز ہوا تھا۔

ان اللہ ۔۔ علیم (۸۵ : ۷) "اللہ ہر چیز کا علم رکھتا ہے۔" یوں علم الٰہی کی حقیقت اور جامعیت دلوں میں بٹھائی جاتی ہے۔ ایک ہی آیت میں مختلف اسالیب سے یہ کام ہوتا ہے اور یہ اسالیب اس حقیقت کو دلوں میں بہت گہرا کردیتے ہیں اور اسی بات کو دل کے اندر مختلف راہوں اور دروازوں سے بٹھاتے ہیں۔

یہ حقیقت کہ اللہ حاضر و ناظر ہے اور مذکور بالا آیات میں اس کو دلوں میں نہایت ہی خوفناک طریقے سے بٹھایا گیا۔ یہ دراصل منافقین کو ایک سخت دھمکی دینے کے لیے بطور تمہید لائی گئی ہے۔ یہ منافقین رسول اللہ اور جماعت مسلمہ کے خلاف رفت دن نجویٰ کرتے رہتے تھے، سازشیں تیار کرتے تھے۔ مدینہ میں ان کی کثرت تھی، دھمکی کے ساتھ ساتھ یہ بھی بتایا جاتا ہے کہ ان کا موقف بہت عجیب ہے۔

اَلَمۡ تَرَ اِلَى الَّذِيۡنَ نُهُوۡا عَنِ النَّجۡوٰى ثُمَّ يَعُوۡدُوۡنَ لِمَا نُهُوۡا عَنۡهُ وَيَتَنٰجَوۡنَ بِالۡاِثۡمِ وَالۡعُدۡوَانِ وَمَعۡصِيَتِ الرَّسُوۡلِ ۖ وَاِذَا جَآءُوۡكَ حَيَّوۡكَ بِمَا لَمۡ يُحَيِّكَ بِهِ اللّٰهُ ۙ وَيَقُوۡلُوۡنَ فِىۡۤ اَنۡفُسِهِمۡ لَوۡلَا يُعَذِّبُنَا اللّٰهُ بِمَا نَقُوۡلُ ؕ حَسۡبُهُمۡ جَهَنَّمُ ۚ يَصۡلَوۡنَهَا ۚ فَبِئۡسَ الۡمَصِيۡرُ ۝٨

کیا تم نے دیکھا نہیں ان لوگوں کو جنہیں سرگوشیاں کرنے سے منع کر دیا گیا تھا پھر بھی وہی حرکت کیے جاتے ہیں جس سے انھیں منع کیا گیا تھا 21 یہ لوگ چھپ چھپ کر آپس میں گناہ اور زیادتی اور رسول کی نافرمانی کی باتیں کرتے ہیں، اور جب تمہارے پاس آتے ہیں تو تمہیں اس طریقے سے سلام کرتے ہیں جس طرح اللہ نے تم پر سلام نہیں کیا ہے 22۔ اور اپنے دلوں میں کہتے ہیں کہ ہماری باتوں پر اللہ ہمیں عذاب کیوں نہیں دیتا 23۔ ان کے لیے جہنم ہی کافی ہے۔ اسی کا وہ ایندھن بنیں گے۔ بڑا ہی برا انجام ہے ان کا۔

تفسیر تفہیم القرآن

سورۃ الْمُجَادِلَة حاشیہ نمبر: 21

اس سے معلوم ہوتا ہے کہ اس آیت کے نزول سے پہلے نبی (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) ان لوگوں کو اس روش سے منع فرما چکے تھے، اس پر بھی جب وہ باز نہ آئے تب براہ راست اللہ تعالیٰ کی طرف سے یہ فرمان عتاب نازل ہوا۔

سورۃ الْمُجَادِلَة حاشیہ نمبر: 22

یہ یہود اور منافقین کا مشترک رویہ تھا۔ متعدد روایتوں میں یہ بات آئی ہے کہ کچھ یہودی نبی (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کی خدمت میں حاضر ہوئے اور انھوں نے السام علیک یا ابا القاسم کہا۔ یعنی السلام علیک کا تلفظ کچھ اس انداز سے کیا کہ سننے والا سمجھے سلام کہا ہے، مگر دراصل انھوں نے سام کہا تھا جس کے معنی موت کے ہیں۔ حضور نے جواب میں فرمایا وعلیکم۔ حضرت عائشہ سے نہ رہا گیا اور انھوں نے کہا موت تمہیں آئے اور اللہ کی لعنت اور پھٹکار پڑے۔ حضور نے انھیں تنبیہ فرمائی کہ اے عائشہ، اللہ کو بدزبانی پسند نہیں ہے۔ حضرت عائشہ نے عرض کیا یا رسول اللہ، آپ نے سنا نہیں کہ انھوں نے کیا کہا؟ حضور نے فرمایا اور تم نے نہیں سنا کہ میں نے انھیں کیا جواب دیا؟ میں نے ان سے کہہ دیا "اور تم پر بھی") بخاری، مسلم، ابن جریر، ابن ابی حاتم)۔ حضرت عبداللہ بن عباس کا بیان ہے کہ منافقین اور یہود، دونوں نے سلام کا یہی طریقہ اختیار کر رکھا تھا (ابن جریر)۔

سورۃ الْمُجَادِلَة حاشیہ نمبر:23

یعنی وہ اپنے نزدیک اس بات کو رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کے رسول نہ ہونے کی دلیل سمجھتے تھے۔ ان کا خیال یہ تھا کہ اگر یہ رسول ہوتے تو جس وقت ہم انھیں اس طریقہ سے سلام کرتے اسی وقت ہم پر عذاب آجاتا۔ اب چونکہ کوئی عذاب نہیں آتا، حالانکہ ہم شب و روز یہ حرکت کرتے رہتے ہیں، لہٰذا یہ رسول نہیں ہیں۔

تفسیر فی ظلال القرآن

الم ترالی۔۔المصیر (۸۵ : ۸) "کیا تم نے دیکھا نہیں ان لوگوں کو جنہیں سرگوشیاں کرنے سے منع کر دیا گیا تھا پھر بھی وہ وہی حرکت کیے جاتے ہیں جس سے انھیں منع کیا گیا تھا؟ یہ لوگ چھپ چھپ کر آپس میں گناہ اور زیادتی اور رسول کی نافرمانی کی باتیں کرتے ہیں، اور جب تمہارے پاس آتے ہیں تو تمہیں اس طریقے سے سلام کرتے ہیں جس طرح اللہ نے تم پر سلام نہیں کیا ہے اور اپنے دلوں میں کہتے ہیں کہ ہماری ان باتوں پر اللہ ہمیں عذاب کیوں نہیں دیتا؟ ان کے لیے جہنم ہی کافی ہے۔ اسی کا وہ ایندھن بنیں گے۔ بڑا ہی برا انجام ہے ان کا۔"

اس آیت سے معلوم ہوتا ہے کہ مدینہ میں منافقین کے بارے میں حضور (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کا منصوبہ نہایت روادارانہ اور ان کے ساتھ آپ کا رویہ نہایت ہی ہمدردانہ تھا۔ آپ ان کو یہی نصیحت فرماتے ہیں کہ اخلاص کے ساتھ اسلام کو قبول کرلیں۔ اور آپ ان کو بار بار نجویٰ، سازشوں اور خفیہ تدابیر سے روکتے تھے۔ اور منافقین یہ کام یہودیوں کے ساتھ مل کر کرتے تھے۔ بلکہ یہ تمام کام مشرکین اور منافقین یہودیوں کے اشاروں پر کرتے تھے۔ لیکن حضور (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کے مخلصانہ رویہ کے باوجود انھوں نے اپنی ان سازشوں اور خفیہ تدابیر اور نجویٰ کے کام کو اور تیز کر دیا۔ اور اس کے لیے انھوں نے ایسے ذرائع اور تدابیر بھی شروع کر دیں کہ حضور (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کے احکام کی نافرمانی کی جائے۔ اور مسلمانوں کے معاملات اور اسلامی نظام میں فساد برپا کر کے خلل ڈالا جائے۔

یہ لوگ اپنے کام میں اس قدر تیز اور جری ہوگئے تھے کہ انھوں نے اسلامی حکومت کے احکامات میں فساد ڈالنے کے ساتھ ساتھ حضور (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کے ساتھ علیک سلیک کے اندر بھی فساد پیدا کر دیا تھا۔ اور السلام علیکم کے معنی میں بھی تبدیلی کر دی تھی۔

واذا جاء۔۔بہ اللہ (۸۵ : ۸) "اور جب تمہارے پاس آتے ہیں تو تمہیں اس طریقے سے سلام کرتے ہیں جس طرح اللہ نے تم پر سلام نہیں کیا ہے"۔ یہ منافقین اور یہودی السلام علیکم کی جگہ السام علیکم کہتے تھے۔ یعنی یہ کہ تم پر موت آجائے۔ اسی طرح انھوں نے کچھ دوسرے الفاظ بھی گڑھ لیے تھے جن کا ظاہر تو اچھا تھا مگر باطن میں وہ ان سے غلط مراد لیتے تھے اور پھر وہ کہتے تھے کہ اگر یہ نبی برحق ہوتا تو اسے ہماری ان باتوں کا علم ہوتا یا ان مجالس کا علم ہوتا جن میں ہم اس کے خلاف تدابیر اور سازشیں کرتے ہیں۔

اس سورت سے معلوم ہوتا ہے کہ اللہ نے نبی (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کو سب کچھ بتا دیا تھا۔ وہ بھی جو یہ اپنے دلوں میں سوچتے تھے اور وہ بھی جو سازشیں وہ اپنی مجلسوں میں کرتے تھے۔ کیونکہ سورت کے آغاز میں بتا دیا گیا کہ جو عورت اپنے خاوند کے بارے میں تکرار کر رہی تھی اس کی باتیں اللہ

نے سن لیں۔ اور یہ کہ اگر تین آدمی نجویٰ کریں تو چوتھا اللہ ہوتا ہے، اگر چار کریں تو پانچواں اللہ ہوتا ہے نیز ان کے نفوس میں جو کچھ ہوتا ہے وہ بھی اللہ کو معلوم ہے۔ اور اس کے بعد ان کی باتوں کی یہ تردید کر دی گئی۔

حسبھم۔۔المصیر (۸۵ : ۸) "ان کے لیے جہنم ہی کافی ہے۔ اسی کا وہ ایندھن بنیں گے۔ بڑا ہی برا انجام ہے ان کا۔"

ان کی خفیہ سازشوں کا انکشاف، ان کے نجویٰ کا انکشاف خصوصاً جبکہ حضور کی جانب سے ممانعت کے باوجود انھوں نے کیا، پھر وہ جو دلوں میں کہتے تھے کہ اگر یہ سچا نبی ہے تو اسے ہماری یہ کارروائیاں معلوم ہونی چاہئیں۔ ان باتوں کا انکشاف، غرض یہ سب انکشافات اس بات کی دلیل ہیں کہ زمین و آسمان کی ہر بات کا اللہ کو علم ہے اور اللہ پر نجویٰ میں موجود ہیں، وہ خفیہ اجماع کا شاہد ہوتا ہے۔ یہ سب باتیں منافقین کے لیے تو خوفناک تھیں کہ ان کے تمام امور طشت از بام ہو چکے ہیں جبکہ اہل ایمان کے لیے اطمینان اور بھروسے کا باعث بنیں۔

اب خطاب اہل ایمان کو ہو رہا ہے "اے لوگو، جو ایمان لائے ہو، کہ تم منافقین کی طرح نجویٰ نہ کرو، گناہ کی باتوں میں، دشمنی کی باتوں میں، رسول کی نافرمانی میں، بلکہ جو بات بھی کرو خدا خوفی کے ساتھ کرو، اس قسم کا نجویٰ دراصل شیطان کے اشارے سے ہوتا ہے اور اس کے ذریعہ شیطان مومنین کو پریشان کرنا چاہتا ہے۔ حالانکہ اس قسم کا نجویٰ مومنین کے لائق نہیں ہے۔

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اِذَا تَنَاجَيْتُمْ فَلَا تَتَنَاجَوْا بِالْاِثْمِ وَالْعُدْوَانِ وَمَعْصِيَتِ الرَّسُوْلِ وَتَنَاجَوْا بِالْبِرِّ وَالتَّقْوٰى ۭ وَاتَّقُوا اللّٰهَ الَّذِيْٓ اِلَيْهِ تُحْشَرُوْنَ ۝

اے لوگو جو ایمان لائے ہو، جب تم آپس میں پوشیدہ بات کرو تو گناہ اور زیادتی اور رسول کی نافرمانی کی باتیں نہیں بلکہ اور تقوی کی باتیں کرو اور اس خدا سے ڈرتے رہو جس کے حضور تمہیں حشر میں پیش ہونا ہے 24۔

تفسیر تفہیم القرآن

سورۃ الْمُجَادِلَة حاشیہ نمبر :24

اس سے معلوم ہوا کہ نجویٰ (آپس میں راز کی بات کرنا) بجائے خود ممنوع نہیں ہے، بلکہ اس کے جائز یا ناجائز ہونے کا انحصار ان لوگوں کے کردار پر ہے جو ایسی بات کریں، اور ان حالات پر ہے جن میں ایسی بات کی جائے، اور ان باتوں کی نوعیت پر ہے جو اس طریقے سے کی جائیں۔ جن لوگوں کا اخلاص، جن کی راست بازی، جن کے کردار کی پاکیزگی معاشرے میں معلوم و معروف ہو، انھیں کسی جگہ سر جوڑے بیٹھے دیکھ کر کسی کو یہ شبہ نہیں ہو سکتا کہ وہ آپس میں کسی شرارت کا منصوبہ بنا رہے ہیں۔ بخلاف اس کے جو لوگ شر اور بدکرداری کے لیے معروف ہوں ان کی سرگوشیاں ہر شخص کے دل میں یہ کھٹک پیدا کر دیتی ہیں کہ ضرور کسی نئے فتنے کی تیاری ہو رہی ہے۔ اسی طرح اتفاقاً کبھی دو چار آدمی باہم کسی معاملہ پر سرگوشی کے انداز میں بات کر لیں تو یہ قابل اعتراض نہیں ہے۔ لیکن اگر کچھ لوگوں نے اپنا ایک جتھا بنا رکھا ہو اور ان کا مستقل وتیرہ یہی ہو کہ ہمیشہ جماعت مسلمین سے الگ ان کے درمیان کھسر پسر ہوتی رہتی ہو تو یہ لازماً خرابی کا پیش خیمہ ہے۔ اور کچھ نہیں تو اس کا کم سے کم نقصان یہ ہے کہ اس سے مسلمانوں میں پارٹی بازی کی بیماری پھیلتی ہے۔ ان سب سے بڑھ کر جو چیز نجویٰ کے جائز و ناجائز ہونے کا فیصلہ کرتی ہے وہ ان باتوں کی نوعیت ہے جو نجویٰ میں کی جائیں۔ دو آدمی اگر اس لیے باہم سرگوشی کرتے ہیں کہ کسی جھگڑے کا تصفیہ کرانا ہے، یا کسی کا حق دلوانا ہے، یا کسی نیک کام میں حصہ لینا ہے، تو یہ کوئی برائی نہیں ہے، بلکہ کار ثواب ہے۔ اس کے برعکس اگر یہی نجویٰ دو آدمیوں کے درمیان اس غرض کے لیے ہو کہ کوئی فساد ڈلوانا ہے، یا کسی کا حق مارنا ہے یا کسی گناہ کا ارتکاب کرنا ہے تو ظاہر ہے کہ یہ غرض بجائے خود ایک برائی ہے اور اس کے لیے نجویٰ برائی پر برائی۔

نبی (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے اس سلسلے میں آداب مجلس کی جو تعلیم دی ہے وہ یہ ہے کہ اذا کنتم ثلاثۃ فلا یتناجیٰ اثنان دون صاحبھما فان ذالک یحزنہٗ۔ "جب تین آدمی بیٹھے ہوں تو دو آدمی آپس میں کھسر پسر نہ کریں، کیونکہ یہ تیسرے آدمی کے لیے باعث رنج ہوگا" (بخاری۔ مسلم۔ مسند احمد۔ ترمذی۔ ابو داؤد)۔ دوسری حدیث میں حضور کے الفاظ یہ ہیں فلا یتناجیٰ اثنان دون الثالث الا باذنہ فان ذالک یحزنہٗ۔ "دو آدمی باہم سرگوشی نہ کریں مگر تیسرے سے اجازت لے کر، کیونکہ یہ اس کے لیے باعث رنج ہوگا" (مسلم)۔ اسی ناجائز سرگوشی کی تعریف میں یہ بات بھی آتی ہے کہ دو آدمی تیسرے شخص کی موجودگی میں کسی ایسی زبان میں بات کرنے لگیں جسے وہ نہ سمجھتا ہو۔ اور اس سے بھی زیادہ ناجائز بات یہ ہے کہ وہ اپنی سرگوشی کے دوران میں کسی کی طرف اس طرح دیکھیں یا اشارے کریں جس سے یہ ظاہر ہو کہ ان کے درمیان موضوع بحث وہی ہے۔

تفسیر فی ظلال القرآن

یایھاالذین۔۔المومنون (۱۰) (۸۵ : ۹۔۱۰)

" اے لوگو جو ایمان لائے ہو، جب تم آپس میں پوشیدہ بات کرو تو گناہ اور زیادتی اور رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کی نافرمانی کی باتیں نہیں بلکہ نیکی اور تقویٰ کی باتیں کرو اور اس خدا سے ڈرتے رہو جس کے حضور تمہیں حشر میں پیش ہونا ہے۔ کانا پھوسی تو ایک شیطانی کام ہے، اور وہ اس لیے کی جاتی ہے کہ ایمان لانے والے لوگ اس سے رنجیدہ ہوں، حالانکہ بے اذن خدا وہ انھیں کچھ بھی نقصان نہیں پہنچا سکتی، اور مومنوں کو اللہ ہی پر بھروسہ رکھنا چاہیے۔"

معلوم ہوتا ہے ابتدائی زمانے میں جب کہ لوگوں میں ابھی تک اسلامی جماعت کا صحیح شعور اور احساسات پیدا نہ ہوئے تھے، بعض مسلمان اجتماعی معاملات میں اپنی قیادت کے ساتھ مشورہ کیے بغیر ہی، باہم اجتماعی مشورہ شروع کر دیتے تھے۔ یہ لوگ ابھی اسلامی تنظیم کی روح سے واقف نہ تھے، جس کے مطابق سب سے پہلے ہر مشورہ و بصورت تجویز پہلے قیادت کے سامنے آنا چاہیے اور اسلامی قیادت کے علاوہ کوئی نجویٰ نہیں ہونا چاہیے۔ معلوم ہوتا ہے اس دور میں بعض مسلمان اپنی ناتجربہ کاری کی وجہ سے، جب ایسے مشورے کرتے تھے تو اس سے پیچیدگیاں پیدا ہوتی تھیں اور اس سے جماعت مسلمہ کو تکلیف پہنچتی تھی اگرچہ مشورہ کرنے والوں کی ایسی نیت نہ ہوتی تھی۔ لیکن ان لوگوں کی طرف سے محض ایسے مسائل اٹھا دینا ہی جماعت کے لیے ایذا کا باعث بن جاتا اور اس سے اجتماعی پالیسی کی نافرمانی ہو جاتی۔

یہی وجہ ہے کہ اہل ایمان کو لقب ایمان سے پکارا جاتا ہے، جو ان کی جدید اجتماعیت کی بنیاد فراہم کرتا ہے۔

یایھا۔۔امنوا (۸۵ : ۹) "اے لوگ، جو ایمان لائے ہو" ایسے مشورے نہ کرو جو گناہوں، اور حدود سے متجاوز ہوں، اور جن سے رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کی معصیت لازم آتی ہو۔ اور یہ بھی بیان کر دیا جاتا ہے کہ اہل ایمان کن امور پر مشورہ کر سکتے ہیں۔

وتنا۔۔والتقوٰی (۸۵ : ۹) "بلکہ نیکی اور تقویٰ کی باتوں پر مشورہ کرو۔" نیکی اور تقویٰ کے بارے میں وسائل وتدابیر اختیار کرنے کے لیے بیشک تم مشورے کرو، البر: یعنی عام بھلائی، التقوی: بیداری اور اللہ کو حاضر و ناظر سمجھتے ہوئے ڈرنا۔ اس قسم کا تقویٰ صرف بھلائی ہی سکھاتا ہے۔ پھر صراحت کے ساتھ ان کو کہا جاتا ہے کہ، اس اللہ سے ڈرو جس کی طرف تم نے پلٹ کر جانا ہے۔ وہ وہاں تمہارے سب کیے پر تم سے حساب لے گا۔ وہ اس پورے ریکارڈ کو تیار کرنے والا اور اس پر گواہ بھی ہوگا۔ چاہے جس قدر بھی تم چھپاؤ اور خفیہ رکھو۔

امام احمد نے روایت کی ہے بہز اور عفان سے، ان دونوں نے ھمام سے، انھوں نے قتادہ سے، انھوں نے صفوان ابن محرز سے، یہ کہتے ہیں کہ میں نے ابن عمر کا ہاتھ پکڑا ہوا تھا، کہ ایک شخص نے ان سے پوچھا: "تم نے نجویٰ کے بارے میں رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) سے کیا سنا کہ قیامت میں اس کے بارے میں کیا ہوگا؟ انھوں نے کہا کہ میں نے رسول اللہ سے یہ کہتے سنا کہ: "اللہ ایک مومن کے قریب ہوگا۔ اس پر اپنے دونوں ہاتھ یوں رکھے گا کہ وہ لوگوں سے چھپ جائے گا۔ اور اس کے گناہوں کا اس سے اقرار لے گا اور کہے گا تمہیں فلاں فلاں گناہ معلوم ہیں۔ یہاں تک کہ جب اس کے پورے گناہ اسے یاد دلا دیئے اور اقرار لے لیا، اور اس شخص نے یہ سوچ لیا کہ اب تو وہ مارا گیا تو اس کے بعد اللہ فرمائے گا اچھا، دنیا میں تو میں نے ان گناہوں کو چھپا

دیا تھا اور آج میں تمہارے لیے ان سب کو معاف کرتا ہوں۔ اس کے بعد اللہ اس کو اس کی نیکیوں کا اعمال نامہ دے گا۔ رہے کفار اور منافقین تو ان کے علاوہ پیش ہونے والے گواہ کہیں گے، اے رب یہ لوگ ہیں جنہوں نے اپنے رب پر جھوٹ باندھا، لعنت ہے ظالموں پر۔ (بخاری)

اس کے بعد مومنین کو نجویٰ، افواہیں پھیلانے اور خفیہ سازشوں سے منع کیا جاتا ہے۔ جماعت سے الگ خفیہ طور پر کوئی مشورہ نہیں کرنا چاہیے۔ کیونکہ اہل ایمان اس جماعت کا حصہ ہیں، ان کی مصلحت اور جماعت کی مصلحت ایک ہے۔ ان کو کسی معاملے میں جماعت سے جدا نہیں ہونا چاہیے۔ اور ان سے کہا جاتا ہے کہ مومنین جب دیکھیں کہ کچھ لوگ الگ کانا پھوسی کر رہے ہیں، اور الگ مشورے ہو رہے ہیں تو اس طرح اہل ایمان کو شک، پریشانی اور حزن وملال ہوگا اور بداعتمادی کی فضا پیدا ہوگی۔ شیطانی کاوش ہی یہ ہے کہ وہ اس قسم کے نجویٰ کرنے والوں کو اس بات پر آمادہ کرتا ہے تاکہ وہ نجویٰ کر کے جماعت مسلمہ کو پریشان کریں حالانکہ وہ ان کو کوئی نقصان نہیں پہنچا سکتا۔

انما۔۔ المومنون (۸۵ : ۱۰) "کانا پھوسی تو ایک شیطانی کام ہے، اور وہ اس لیے کی جاتی ہے کہ ایمان لانے والے لوگ اس سے رنجیدہ ہوں، حالانکہ بےاذن خدا وہ انھیں کچھ بھی نقصان نہیں پہنچا سکتی، اور مومنوں کو اللہ ہی پر بھروسہ رکھنا چاہیے۔ "کوئی مومن اللہ کے سوا کسی پر بھروسہ نہیں کرتا۔ کیونکہ اللہ کے سوا کسی پر بھروسہ کیا ہی نہیں جا سکتا۔ اور نہ کوئی ایسی ہستی ہے۔

احادیث میں آتا ہے کہ ایسے حالات میں کانا پھوسی نہیں کرنا چاہیے جس کی وجہ سے شکوک و شبہات پیدا ہوں اور مسلمانوں کا باہم اعتماد مجروح ہو اور دلوں کے اندیشے پیدا ہوں۔

اعمق حضرت عبداللہ ابن مسعود حضرت عبداللہ ابن مسعود سے روایت کرتے ہیں: "اگر تم سے کوئی دو تیسرے کے سوا الگ ہو کر مشورہ نہ کرے، کیونکہ اس بات سے وہ دل گیر ہوگا "یہ اسلامی جماعت کے بہترین آداب ہیں۔ اور اگر ایسے آداب کو ملحوظ رکھا جائے تو شکوک و شبہات کی گنجائش ہی نہ رہے گی۔ ہاں اگر راز رکھنے کی مصلحت درپیش ہو، یا کسی کی پردہ داری مطلوب ہو، یا کسی مخصوص شخص کے معاملات میں بات ہو رہی ہو یا کسی عمومی بحث میں پردہ داری مطلوب ہو تو پھر بند کمرے میں بات کرنے کی کوئی ممانعت بھی نہیں ہے۔ اور ایسی صورت مشروہ جماعت کے قائدین کے درمیان ہوا کرتی ہے۔ لیکن کوئی اکٹھ ایسا نہ ہو کہ جسے جماعت اندر جماعت کہا جا سکے یا جو جماعت کے علم کے بغیر ہو۔ اس قسم کے نجویٰ سے قرآن اور سنت نے منع کیا ہے اور اس قسم کے نجویٰ سے جماعتوں کے اندر افتراق اور ان کی صفوں میں شکوک پیدا ہوتے ہیں اور یہ وہ بیماری ہے جس کو شیطان بڑے اہتمام سے پھیلاتا ہے تاکہ ایمان والوں کے درمیان عدم اطمینان پھیلا دے۔ اور اللہ نے یہاں فیصلہ کر دیا ہے کہ وہ جماعت مسلمہ کو کبھی نقصان نہیں دے سکتا۔ اس لیے کہ مومنین کی جماعت کا نگران، نگہبان اور چوکیدار اللہ بذات خود ہے اور اللہ ہر نجویٰ میں حاضر و موجود ہوتا ہے۔ اور ایسے مشوروں میں جو سازشیں ہوتی ہیں اللہ ان کو مومنین کے لیے بے ضرر بنا دیتا ہے۔

الا باذن اللہ (۸۵ : ۱۰) "اللہ کے اذن کے سوا"۔ جہاں بھی کوئی حتمی اور جزمی وعدہ اور فیصلہ ہو وہاں اس قسم کی استثنا ہوتی ہے، اس کا مقصد یہ ہوتا ہے کہ اللہ خود اپنے فیصلوں کا پابند نہیں ہے۔ لہٰذا اللہ جو چاہے کرے، اگر اللہ چاہے کہ مسلمانوں کو تکلیف پہنچے تو وہ ایسا کر سکتا ہے۔

وعلی۔۔ المومنون (۸۵ : ۱۰) "اور مومنوں کو اللہ ہی پر بھروسہ کرنا چاہیے۔ "اللہ ہی بچانے والا اور حامی ہے۔ وہی قوی اور عزیز ہے، وہی علیم و خبیر ہے، وہی شاہد اور حاضر ہے، اور اس کائنات میں وہی کچھ ہوتا ہے جو اللہ چاہتا ہے۔ اور اللہ نے یہ وعدہ کر لیا ہے کہ وہ مومنوں کو بچائے گا تو اس کے بعد مومنوں کے لیے کیا شک رہ جاتا ہے اس لیے وہ بے فکر ہو جاتے ہیں۔

اس کے بعد اہل ایمان کو ایک دوسرا اجتماعی ادب سکھایا جاتا ہے۔

إِنَّمَا النَّجْوَىٰ مِنَ الشَّيْطَانِ لِيَحْزُنَ الَّذِينَ آمَنُوا وَلَيْسَ بِضَارِّهِمْ شَيْئًا إِلَّا بِإِذْنِ اللَّهِ ۚ وَعَلَى اللَّهِ فَلْيَتَوَكَّلِ الْمُؤْمِنُونَ ﴿١٠﴾

کانا پھوسی تو ایک شیطانی کام ہے، اور وہ اس لیئے کی جاتی ہے کہ ایمان لانے والے لوگ اس سے رنجیدہ ہوں، حالانکہ بے اذن خدا وہ نہیں کچھ بھی نقصان نہیں پہنچاسکتی، مومنوں کی اللہ ہی پر بھروسہ رکھنا چاہیے 25۔

تفسیر تفہیم القرآن

سورۃ الْمُجَادِلَة حاشیہ نمبر :25

یہ بات اس لیے فرمائی گئی ہے کہ اگر کسی مسلمان کو کچھ لوگوں کی سرگوشیاں دیکھ کر یہ شبہ بھی ہو جائے کہ وہ اسی کے خلاف کی جارہی ہیں، تب بھی اسے اتنا رنجیدہ نہ ہونا چاہیے کہ محض شبہ ہی شبہ پر کوئی جوابی کارروائی کرنے کی فکر میں پڑ جائے، یا اپنے دل میں اس پر کوئی غم، یا کینہ، یا غیر معمولی پریشانی پرورش کرنے لگے۔اس کو یہ سمجھنا چاہیے کہ اللہ کے اذن کے بغیر کوئی اس کا کچھ نہیں بگاڑ سکتا۔ یہ اعتماد اس کے قلب میں ایسی قوت پیدا کر دے گا کہ بہت سے فضول اندیشوں اور خیالی خطروں سے اس کو نجات مل جائے گی اور وہ اشرار کو ان کے حال پر چھوڑ کر پورے اطمینان و سکون کو غارت کر دے، نہ کم ظرف ہوتا ہے کہ غلط کار لوگوں کے مقابلے میں آپے سے باہر ہو کر خود بھی خلاف انصاف حرکتیں کرنے لگے۔

تفسیر عروۃ الوثقی – عبدالکریم اثری

شیطانی نجویٰ ایمان والوں کو ڈرانے کے لیے ہے لیکن ایمان والے اس سے بالکل نہیں ڈرتے

۱۰ ایمان والوں کی ایمانی طاقت و قوت کو کس مخفی انداز سے بڑھایا جارہا ہے کہ اے ایمان والو ! منافقین، مخالفین، معاندین اور کھلے کافر سب تمہارے خلاف سرگوشیوں میں مصروف ہیں لیکن تم ان سب کی سرگوشیوں کی قطعاً پروانہ کرو۔ یہ سب تم کو ڈرانا چاہتے ہیں تاکہ تمہارے دلوں میں خوف پیدا ہو جائے کہ اب ان کی مشاورتی کمیٹی نہ معلوم ہمارے خلاف کیا قرارداد پاس کرتی ہے۔ فرمایا وہ جو کچھ بھی پاس کرتے ہیں ان کو کرنے دو اور تم ان کے ڈراوے میں مت آؤ، وہ تمہارا کچھ نہیں بگڑا سکیں گے۔ مگر ہاں ! تمہارا جو کچھ بگڑتا یا سنورتا ہے وہ اللہ تعالیٰ کے حکم سے ہی بگڑتا اور سنورتا ہے۔ یاد رکھو کہ یہی وقت ہے تمہارے امتحان کا کہ تم ایمان و ایقان میں کتنے پکے ہو۔ تمہارا فرض مخفی یہ ہے کہ تم اس بات کو اچھی طرح سمجھ لو کہ تمہارا موقف صحیح اور درست ہے وہ تم نے جان لا اور سمجھ لیا اور اسی چیز کا نام اسلام ہے۔ اب تم کو تعلیم یہ دی گئی ہے کہ اگر ایمان لانے کے بعد تم کو کسی دکھ یا مصیبت میں مبتلا کیا جاتا ہے تو یہ دکھ اور مصیبت اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہے اور اس کو اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی بھی دور نہیں کر سکتا اور اگر اللہ تعالیٰ کی طرف سے تم کو کوئی بھلائی ملنا ہے تو ساری دنیا مل کر بھی اس بھلائی کو روکتی رہے تو اس بھلائی نے تم کو چل کر مبارکباد پیش کرنا ہے۔ تم گھبراؤ نہیں، جھکو نہیں، بکو نہیں لیکن ایسا نہ ہو کہ تم یہ الفاظ محض الفاظ کی حد تک استعمال کرتے رہو اور وقت آجائے تو تمہارا سانس پھولنے لگے اور تم حواس باختہ ہو جاؤ۔ اللہ پر بھروسہ کرو اور ایمانی قوت اور طاقت اتنی بھاری اور مضبوط چیز ہے کہ اس کا مقابلہ اور کوئی چیز بھی نہیں کر سکتی اور ایمان والوں کو اللہ تعالیٰ پر مکمل بھروسہ رکھنا چاہیے کیونکہ ایمان پر اگر موت آجائے تو اس کو خاتمہ بالخیر کہتے ہیں اور خاتمہ بالخیر اتنی بڑی کامیابی ہے کہ اس سے بڑی دنیا میں اور کوئی کامیابی نہیں ہے جس کا خاتمہ بالخیر ہوا اس نے بلاشبہ گوہر مقصود حاصل کر لیا اور اس کو وہ زندگی مل گئی جس کے بعد موت اور فنا نہیں ہے۔

اس کا تعلق ادب مجلس سے ہے کہ سیدنا ابن عمر (رض) سے روایت ہے کہ نبی اعظم و آخر (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے فرمایا: (اذکان ثلثۃ فلا یتنا جی اثنان دون الواحد) مطلب یہ ہے کہ اگر تم میں سے کہیں تین آدمی اکٹھے بیٹھ جائیں تو تیسرے آدمی کو چھوڑ کر دو آپس میں سرگوشی نہ کریں اور ایک اور حدیث میں ہے کہ آپ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے فرمایا: "جب تم تین آدمی بیٹھے ہو تو تیسرے کو چھوڑ کر دو آپس میں سرگوشی نہ کرو اس سے اس تیسرے آدمی کو آسودگی ہوگی اور وہ آزردہ خاطر ہوگا"۔ (عن ابن مسعود (رض) اور آگے آداب مجلس کی تفصیل بیان کی جارہی ہے۔

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيۡنَ اٰمَنُوۡۤا اِذَا قِيۡلَ لَكُمۡ تَفَسَّحُوۡا فِى الۡمَجٰلِسِ فَافۡسَحُوۡا يَفۡسَحِ اللّٰهُ لَكُمۡ‌ۚ وَاِذَا قِيۡلَ انۡشُزُوۡا فَانۡشُزُوۡا يَرۡفَعِ اللّٰهُ الَّذِيۡنَ اٰمَنُوۡا مِنۡكُمۡ‌ۙ وَالَّذِيۡنَ اُوۡتُوا الۡعِلۡمَ دَرَجٰتٍ‌ؕ وَاللّٰهُ بِمَا تَعۡمَلُوۡنَ خَبِيۡرٌ۝

اے لوگوں جو ایمان لائے ہو، جب تم سے کہا جائے کہ اپنی مجلسوں میں کشادگی پیدا کرو تو جگہ کشادہ کر دیا کرو، اللہ تمہیں کشادگی بخشے گا26۔اور جب تم سے کہا جائے کہ اٹھ جاؤ تو اٹھ جایا کرو27۔ تم میں سے جو لوگ ایمان رکھنے والے ہیں اور جن کو علم بخشا گیا ہے۔ اللہ ان کو بلند درجے عطا فرمائے گا28، اور جو کچھ تم کرتے ہو اللہ کو اس کی خبر ہے۔

تفسیر تفہیم القرآن

سورۃ الْمُجَادِلَة حاشیہ نمبر :26

اس کی تشریح سورۃ کے دیباچے میں کی جاچکی ہے۔ بعض مفسرین نے اس حکم کو صرف نبی (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کی مجلس تک محدود سمجھا ہے۔ لیکن جیسا کہ امام مالک نے فرمایا ہے، صحیح بات یہ ہے کہ مسلمانوں کی تمام مجلسوں کے لیے یہ ایک عام ہدایت ہے۔ اللہ اور اس کے رسول نے اہل اسلام کو جو آداب سکھائے ہیں ان میں سے ایک بات یہ بھی ہے کہ جب کسی مجلس میں پہلے سے کچھ لوگ بیٹھے ہوں اور بعد میں مزید کچھ لوگ آئیں، تو یہ تہذیب پہلے سے بیٹھے ہوئے لوگوں میں ہونی چاہیے کہ وہ خود نئے آنے والوں کو جگہ دیں اور حتیٰ الامکان کچھ سکڑ اور سمٹ کر ان کے لیے کشادگی پیدا کریں، اور اتنی شائستگی بعد کے آنے والوں میں ہونی چاہیے کہ وہ زبردستی ان کے اندر نہ گھسیں اور کوئی شخص کسی کو اٹھا کر اس کی جگہ بیٹھنے کی کوشش نہ کرے۔ حدیث میں حضرت عبداللہ بن عمر اور حضرت ابوہریرہ کی روایت ہے کہ نبی (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے فرمایا: لایقیم الرجل الرجل من مجلسہ فیجلس فیہ ولکن تفسحوا وتوسعوا۔ "کوئی شخص کسی کو اٹھا کر اس کی جگہ نہ بیٹھے بلکہ تم لوگ خود دوسروں کے لیے جگہ کشادہ کرو"۔ (مسند احمد، بخاری، مسلم)۔ اور حضرت عبداللہ بن عمرو بن عاص کی روایت ہے کہ حضور نے فرمایا: لایحل لرجل ان یفرق بین اثنین الا باذنہما۔ "کسی شخص کے لیے یہ حلال نہیں ہے کہ دو آدمیوں کے درمیان ان کی اجازت کے بغیر دھس جائے" (مسند احمد، ابو داؤد، ترمصی)۔

سورۃ الْمُجَادِلَة حاشیہ نمبر :27

عبدالرحمٰن بن زید بن اسلم کا بیان ہے کہ لوگ نبی (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کی مجلس میں دیر تک بیٹھے رہتے تھے اور ان کی کوشش یہ ہوتی تھی کہ آخر وقت تک بیٹھے رہیں۔ اس سے بسا اوقات حضور کو تکلیف ہوتی تھی، آپ کے آرام میں بھی خلل پڑتا تھا اور آپ کے کاموں کا بھی حرج ہوتا تھا۔ اس پر یہ حکم نازل ہوا کہ جب تم لوگوں سے کہا جائے کہ اٹھ جاؤ تو اٹھ جاؤ (ابن جریر وابن کثیر)۔

سورۃ الْمُجَادِلَة حاشیہ نمبر :28

یعنی یہ نہ سمجھو کہ رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کی مجلس میں دوسروں کو جگہ دینے کی خاطر اگر تم آپ سے کچھ دور جا بیٹھے تو تمہارا درجہ گر گیا، یا اگر مجلس برخاست کر کے تمہیں اٹھ جانے کے لیے کہا گیا تو تمہاری کچھ ذلت ہو گئی۔ رفع درجات کا اصل ذریعہ ایمان اور علم ہے نہ یہ کہ کس کو مجلس میں رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کے قریب بیٹھنے کا موقع ملا، اور کون زیادہ دیر تک آپ کے پاس بیٹھا۔ کوئی شخص اگر آپ کے قریب بیٹھ گیا ہو

تواس کے معنی یہ نہیں ہیں کہ اسے بڑا مرتبہ مل گیا۔ بڑا مرتبہ تو اسی کا رہے گا جس نے ایمان اور علم کی دولت زیادہ پائی ہے۔ اسی طرح کسی شخص نے اگر زیادہ دیر تک بیٹھ کر اللہ کے رسول کو تکلیف دی تو اس نے الٹا جہالت کا کام کیا۔ اس کے درجے میں محض یہ بات کوئی اضافہ نہ کر دے گی کہ اسے دیر تک آپ کے پاس بیٹھنے کا موقع ملا۔ اس سے بدرجہا زیادہ بلند مرتبہ اللہ کے ہاں اس کا ہے جس نے آپ کی صحبت سے ایمان اور علم کا سرمایہ حاصل کیا اور وہ اخلاق سیکھے جو ایک مومن میں ہونے چاہئیں۔

تفسیر فی ظلال القرآن

" بعض روایات سے ظاہر ہوتا ہے کہ ان آیات کے نزول کا بھی منافقین کے ساتھ تعلق ہے۔ ان سے پھر ان آیات اور ماقبل کی آیات کے درمیان ربط واضح ہو جاتا ہے۔ قتادہ کہتے ہیں کہ یہ آیات مجالس ذکر کے بارے نازل ہوئی ہیں۔ منافقین کا رویہ یہ تھا کہ جب یہ کسی شخص کو مجلس رسول میں آتا دیکھتے تو اپنی جگہ جم کر بیٹھ جاتے۔ اس لیے اللہ تعالیٰ نے یہ حکم دیا کہ نئے آنے والوں کو مجلس میں جگہ دیا کرو۔

مقاسل ابن حبان نے کہا کہ یہ جمعہ کے بارے میں نازل ہوئی ہے۔ اس دن حضور (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) صفہ میں تھے، جگہ تنگ تھی۔ حضور (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) مہاجرین اور انصار میں سے اہل بدر کا بہت اکرام کرتے تھے۔ اہل بدر میں سے کچھ لوگ آئے اور ان سے پہلے جگہ بھر چکی تھی۔ وہ رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کے ارد گرد کھڑے ہو گئے اور کہا:

السلام علیکم ایھا النبی ورحمۃ اللہ وبرکاتہ نبی (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے سلام کا جواب دیا۔ اس کے بعد انھوں نے وہاں بیٹھے ہوئے لوگوں کو سلام کیا۔ انھوں نے بھی سلام کا جواب دیا۔ یہ لوگ کھڑے رہے کہ شاید یہ لوگ ان کے لیے مجلس میں وسعت پیدا کریں گے تو حضور (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے معلوم کر لیا کہ وہ کیوں کھڑے ہیں؟ یہ بات نبی (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کو بہت ناگوار گزری۔ تو آپ کے ارد گرد مہاجرین وانصار میں سے جو غیر بدری لوگ تھے، حضور (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے ان سے فرمایا فلاں تم اٹھ جاؤ، فلاں تم اٹھ جاؤ، یوں ہی حضور (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) ان کو اٹھاتے رہے جب تک تمام بدریوں کے بیٹھنے کی جگہ نہیں ہو گئی۔ یہ بات ان لوگوں پر بہت ہی گراں گزری جو اٹھائے گئے تھے۔ ان کے چہروں پر حضور (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے یہ کراہت دیکھ لی۔ اس پر منافقین نے کہا کہ کیا تم کو یہ یقین نہیں ہے کہ تمہارے "صاحب "لوگوں کے درمیان انصاف کرتے ہیں۔ تو انھوں نے کہا ہمیں تو اس طرح کا اٹھانا منصفانہ معلوم نہیں ہوتا۔ کچھ لوگوں نے نبی کا قرب چاہا اور قریب بیٹھ گئے۔ اور آپ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے ان کو اٹھا دیا اور پھر دیر تک بیٹھے رہے۔ ہم تک یہ بات پہنچی کہ رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے فرمایا اللہ نے اس شخص پر رحم کیا جس نے اپنے بھائی کے لیے مجلس میں جگہ بنائی۔ اس کے بعد اگر کوئی آتا تو وہ لوگ جگہ دینے کے لیے جلدی سے اٹھ جاتے۔ اور لوگ ایک دوسرے کے لیے مجالس میں جگہ بناتے اور یہ آیت جمعہ کے دن نازل ہوئی۔

اگر یہ روایت درست ہے تو یہ ان احادیث کے منافی نہیں ہے جن میں یہ آیا ہے کہ مجلس سے کسی شخص کو اٹھا کر دوسرے کو نہ بٹھایا جائے۔ جیسا کہ صحیحین کی روایت میں ہے "کوئی شخص کسی شخص کو مجلس سے اس لیے نہ اٹھائے کہ اس کی جگہ خود بیٹھ جائے لیکن یہ ہے کہ مجالس کے اندر وسعت اور کشادگی پیدا کرو "اور اسی طرح دوسری احادیث کے بھی یہ خلاف نہیں ہے جن کا مضمون یہ ہے کہ بعد میں آنے والا وہاں بیٹھ جائے جہاں مجلس ختم ہوتی ہے اور لوگوں کی گردنوں کے اوپر چڑھ کر آگے نہ بڑھے تاکہ وہ ممتاز جگہ بیٹھ جائے۔

آیت کا مضمون یہ ہے کہ پہلے بیٹھے ہوئے لوگ آنے والے کے لیے جگہ بنائیں۔ جس طرح آیت میں یہ بھی ہے کہ اگر منتظمین کسی کو کہیں کہ وہ اپنی نشست چھوڑ دے تو اسے چاہیے کہ وہ چھوڑ دے۔ لیکن یہ حکم منتظم اور قیادت سے صادر ہونا چاہیے، باہر سے آنے والے کی جانب سے نہیں۔

غرض یہاں یہ ہے کہ انسانی نفوس کے اندر وسعت پیدا کی جائے قبل اس کے کہ مجالس کے اندر وسعت پیدا کی جائے۔ اگر دل کے اندر وسعت پیدا ہو جائے تو پھر وہ برداشت کرے گا اور مجلس میں آنے والے بھائیوں کو نہایت ہی محبت اور نہایت ہی خوش اخلاقی کے ساتھ بٹھائے گا اور ان کا استقبال کرے گا اور نہایت خوشی اور رضامندی سے ان کے لیے جگہ بنائے گا۔

لیکن اگر قیادت یہ سمجھتی ہو کہ کسی خصوصیت یا مخصوص حالات کی وجہ سے جگہ خالی کرنا ضروری ہے تو طیب نفس اور خوشی خوشی سے جگہ خالی کر دینا چاہیے۔ لیکن اصول اپنی جگہ وہی رہے گا کہ پیچھے آنے والا پیچھے رہے، گردنوں پر سوار ہو کر آگے نہ بڑھے۔ یا کسی دوسرے کو اٹھا کر اس کی جگہ خود نہ بیٹھے۔ یہ تو رواداری ہے اور انتظامی حکم ہے جو فیصلہ کن ہے اور اسلام بہر حال بہترین آداب سکھاتا ہے۔

ہر حکم دینے کے بعد اسلامی نظام تربیت کا یہ اصول ہے کہ وہ لوگوں کے شعور کی اصلاح کرتا ہے۔ یہاں بھی کہا جاتا ہے کہ اگر تم مجالس میں اور دلوں میں وسعت پیدا کرو گے تو اللہ تمہارے لیے وسعت پیدا کر دے گا۔

فافسحوا۔۔ لکم (۵۸ : ۱۱) "تو جگہ کشاد کر دیا کرو، اللہ تمہیں کشادگی بخشے گا" اور وہ لوگ جو اپنی جگہ چھوڑ دیتے ہیں اور رسول اللہ یا قیادت کی اطاعت کرتے ہیں تو اللہ ان کو رفعت مقام عطا کرے گا۔

واذا قیل۔۔ درجت (۵۸ : ۱۱) "اور جب تم سے کہا جائے کہ اٹھ جاؤ تو اٹھ جایا کرو۔ تم میں سے جو لوگ ایمان رکھنے والے ہیں اور جن کو علم بخشا گیا ہے، اللہ ان کو بلند درجے عطا فرمائے گا" یہ ہو گی ان کی تواضع کی جزاء اور تعمیل حکم اور ڈسپلن کا اجر۔

حضور (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کی مجلس میں قریب مقام حاصل کرنا بھی دراصل حصول علم کے لیے ہوا کرتا تھا۔ چنانچہ یہ آیت ان کو سکھاتی ہے کہ جو ایمان وسعت قلبی سکھائے، اطاعت امر سکھائے، اور وہ علم جو دل کی تہذیب عطا کرے، اور وہ دل وسیع ہو جائے اور مطیع فرمان ہو جائے تو ایسے علم اور متعلّم کے درجات اللہ کے ہاں بلند ہو جاتے ہیں اور یہ جو درجہ عطا ہوا یہ اس وجہ سے ہوا کہ انھوں نے رسول کے حکم کی پیروی کرتے ہوئے مجلس میں اپنا درجہ چھوڑ دیا۔ لہٰذا اللہ نے اپنے ہاں درجہ دے دیا۔

واللہ۔۔ خبیر (۵۸ : ۱۱) "اور جو کچھ تم کرتے ہو، اللہ کو اس کی خبر ہے"۔ لہٰذا اللہ علم اور معرفت کی بنا پر ہر کام پر مناسب جزا دے گا اور اللہ کو یہ بھی معلوم ہے کہ تمہارے کاموں کے پیچھے کیا داعیہ رکھا ہے۔

یوں قرآن کریم انسانی نفوس کی تہذیب اور اخلاقی تربیت کرتا ہے اور انسانوں کو وسعت قلبی، رواداری، اطاعت امر سکھاتا ہے۔ اس طرح کہ وہ ناگوار کام کو بھی ذوق وشوق سے کریں۔ دین اسلام محض خشک دفعات پر مشتمل کوئی قانون نہیں ہے۔ یہ تو ایک شعور، ایک نظریہ، ایک احساس اور ضمیر کے اندر ایک ملکہ ہے جو عمل پر ابھارتا ہے۔

اب قرآن مجید رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کے حوالے سے ایک دوسرا ادب اہل ایمان کو سکھاتا ہے۔

معلوم ہوتا ہے کہ رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) سے تنہائی میں گفتگو کرنے والوں کب بہت کثرت ہو گئی تھی اور ہر فرد اپنے انفرادی معاملات میں حضور اکرم (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) سے گفتگو چاہتا تھا۔ اور اس کے ذاتی معاملات میں ہدایات اور مشورے چاہتا تھا۔ اور اس دور میں رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کی اجتماعی ذمہ داریاں بڑھ گئی تھیں اور آپ کا وقت بہت ہی قیمتی تھا۔ اور آپ کے ساتھ تنہائی میں گفتگو ایک بہت ہی اہم اور سنجیدہ مسئلہ بن گیا تھا۔ یہ تو کسی نہایت ہی اہم مسئلے ہی میں ہو سکتا تھا، لیکن لوگ تھے کہ اس اعزاز کے لیے ٹوٹ پڑے تھے۔ چنانچہ اللہ نے تنہائی میں وقت کا مطالبہ کرنے والوں کو کنٹرول کرنے کے لیے مالی تاوان عائد کر دیا۔ اور یہ مالی تاوان جماعت کے اجتماعی کاموں کے لیے تھا۔ یوں حضور اکرم (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) اپنے وقت کا ایک حصہ ایسے لوگوں کو دے دیتے کیونکہ آپ کا پورا وقت اجتماعی معاملات کے لیے وقف تھا۔ یہ تاوان یوں ہوتا کہ جو شخص تنہائی میں وقت چاہتا وہ پہلے صدقہ کرے۔

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اِذَا نَاجَيْتُمُ الرَّسُوْلَ فَقَدِّمُوْا بَيْنَ يَدَيْ نَجْوٰىكُمْ صَدَقَةً ۭ ذٰلِكَ خَيْرٌ لَّكُمْ وَاَطْهَرُ ۭ فَاِنْ لَّمْ تَجِدُوْا فَاِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ۝۱۲

اے لوگو جو ایمان لائے ہو، جب تم رسول سے تخلیہ میں بات کرو تو بات کرنے سے پہلے صدقہ رویہ 29 دو۔ یہ تمہارے لیئے بہتر اور پاکیزہ تر ہے۔ البتہ اگر تم صدقہ دینے کے لیے نہ پاؤ تو اللہ غفور ورحیم ہے۔

تفسیر تفہیم القرآن

سورۃ الْمُجَادِلَة حاشیہ نمبر :29

حضرت عبداللہ بن عباس اس حکم کی وجہ یہ بیان کرتے ہیں کہ مسلمان رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) سے بہت زیادہ باتیں (یعنی تخلیہ کی درخواست کر کے) پوچھنے لگے تھے حتیٰ کہ انھوں نے حضور کو تنگ کر دیا۔ آخر کار اللہ تعالیٰ نے یہ چاہا کہ اپنے نبی پر سے یہ بوجھ ہلکا کر دے (ابن جریر)۔ زید بن اسلم کہتے ہیں کہ نبی (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) سے جو شخص بھی علیحدگی میں بات کرنے کی درخواست کرتا، آپ اسے رد نہ فرماتے تھے۔ جس کا جی چاہتا آ کر عرض کرتا کہ میں ذرا الگ بات کرنا چاہتا ہوں، اور آپ اسے موقع دے دیتے، یہاں تک کہ بہت سے لوگ ایسے معاملات میں بھی آپ کو تکلیف دینے لگے جن میں الگ بات کرنے کی کوئی حاجت نہ ہوتی۔ زمانہ وہ تھا جس میں سارا عرب مدینہ کے خلاف برسرِ جنگ تھا۔ بعض اوقات کسی شخص کی اس طرح کی سرگوشی کے بعد شیطان لوگوں کے کان میں یہ پھونک دیتا تھا کہ یہ فلاں قبیلے کے حملہ آور ہونے کی خبر لایا تھا اور اس سے مدینہ میں افواہوں کا بازار گرم ہو جاتا تھا۔ دوسری طرف لوگوں کی اس حرکت کی وجہ سے منافقین کو یہ کہنے کا موقع مل جاتا تھا کہ محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) تو کانوں کے کچے ہیں، ہر ایک کی سن لیتے ہیں۔ ان وجوہ سے اللہ تعالیٰ نے یہ پابندی لگا دی کہ جو آپ سے خلوت میں بات کرنا چاہے وہ پہلے صدقہ دے (احکام القرآن الابن العربی)۔ قتادہ کہتے ہیں کہ دوسروں پر اپنی بڑائی جتانے کے لیے بھی بعض لوگ حضور سے خلوت میں بات کرتے تھے۔

حضرت علی فرماتے ہیں کہ جب یہ حکم آیا تو حضور نے مجھ سے پوچھا کتنا صدقہ مقرر کیا جائے؟ کیا ایک دینار؟ میں نے عرض کیا یہ لوگوں کی مقدرت سے زیادہ ہے۔ آپ نے فرمایا نصف دینار؟ میں نے عرض کیا لوگ اس کی مقدرت بھی نہیں رکھتے۔ فرمایا پھر کتنا؟ میں نے عرض کیا بس ایک جَو برابر سونا۔ فرمایا: انک لزھید، یعنی تم نے تو بڑی کم مقدار کا مشورہ دیا (ابن جریر، ترمذی، مسند ابو یعلیٰ)۔ ایک دوسری روایت میں حضرت علی فرماتے ہیں قرآن کی یہ ایک ایسی آیت ہے جس پر میرے سوا کسی نے عمل نہیں کیا۔ اس حکم کے آتے ہی میں نے صدقہ پیش کیا اور ایک مسئلہ آپ سے پوچھ لیا۔ (ابن جریر، حاکم، ابن المنذر، عبد بن حمید)۔

تفسیر فی ظلال القرآن

یایھا الذین۔۔غفور رحیم (۸۵ : ۲۱) "اے لوگو جو ایمان لائے ہو، جب تم سے کہا جائے کہ اپنی مجلس میں کشادگی پیدا کرو، اور جو کچھ تم کرتے ہو، اللہ کو اس کی خبر ہے۔ اے لوگو جو ایمان لائے ہو، جب تم رسول سے تخلیہ میں بات کرو تو بات کرنے سے پہلے کچھ صدقہ دو، یہ تمہارے لیے بہتر اور پاکیزہ تر ہے۔ البتہ اگر تم صدقہ دینے کے لیے کچھ نہ پاؤ تو اللہ غفور و رحیم ہے۔"

اس آیت پر حضرت علی (رض) نے عمل کیا۔ آپ کے پاس ایک دینار تھا۔ آپ نے اسے روپوں میں تبدیل کیا۔ آپ حضور اکرم (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کے ساتھ جس وقت الگ کوئی مشورہ کرتے تو ایک درہم کا صدقہ کر دیتے لیکن مسلمانوں پر یہ امر بہت ہی شاق گزرا۔ اللہ کو تو پہلے سے معلوم تھا۔ جو مقصد اس امر سے تھا وہ پورا ہو گیا تھا۔ لوگوں کو معلوم ہو گیا تھا کہ حضور اکرم (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کے اوقات کس قدر قیمتی ہیں۔ اس لیے اللہ نے یہ حکم واپس لے لیا۔ دوسری آیت آ گئی۔

اور ان کو متوجہ کر دیا کہ عبادات اور اللہ کی فرمان برداری کرو۔

ءَاَشْفَقْتُمْ اَنْ تُقَدِّمُوْا بَيْنَ يَدَيْ نَجْوٰىكُمْ صَدَقٰتٍ ۭ فَاِذْ لَمْ تَفْعَلُوْا وَتَابَ اللّٰهُ عَلَيْكُمْ فَاَقِيْمُوا الصَّلٰوةَ وَاٰتُوا الزَّكٰوةَ وَاَطِيْعُوا اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ ۭ وَاللّٰهُ خَبِيْرٌۢ بِمَا تَعْمَلُوْنَ ۝۱۳

کیا تم ڈر گئے اس بات سے کہ تخلیہ میں گفتگو کرنے سے پہلے تمہیں صد قات دینے ہوں گے ؟ اچھا، اگر تم ایسا نہ کرو۔۔ اور اللہ نے تم کو اس سے معاف کر دیا۔۔ تو نماز قائم کرتے رہو، زکوۃ دیتے رہو اور اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت کرتے رہو۔ تم جو کچھ کرتے ہو اللہ اس سے باخبر ہے 30۔ع

تفسیر تفہیم القرآن

سورۃ الْمُجَادِلَة حاشیہ نمبر :30

یہ دوسرا حکم اوپر کے حکم کے تھوڑی مدت بعد ہی نازل ہو گیا اور اس نے صدقہ کے وجوب کو منسوخ کر دیا۔ اس امر میں اختلاف ہے کہ صدقہ کا یہ حکم کتنی دیر رہا۔ قتادہ کہتے ہیں کہ ایک دن سے بھی کم مدت تک باقی رہا پھر منسوخ کر دیا گیا۔ مقاتل بن حیّان کہتے ہیں دس دن تک رہا۔ یہ زیادہ سے زیادہ اس حکم کے بقا کی مدت ہے جو کسی روایت میں بیان ہوئی ہے۔

تفسیر فی ظلال القرآن

ءاشفقتم۔۔بماتعملون (۵۸ : ۳۱) "کیا تم ڈر گئے اس بات سے کہ تخلیہ میں گفتگو کرنے سے پہلے تمہیں صد قات دینے ہوں گے ؟ اچھا، اگر تم ایسا نہ کرو۔۔ اور اللہ نے تم کو اس سے معاف کر دیا۔۔ تو نماز قائم کرتے رہو، زکوۃ دیتے رہو اور اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت کرتے رہو۔ تم جو کچھ کرتے ہو اللہ اس بے باخبر ہے۔"

ان دونوں آیات اور ان کے شان نزول میں وارد احادیث کے فلسفے سے معلوم ہوتا ہے کہ چھوٹے بڑے معاملات میں مسلمانوں کی تربیت کے لیے اور اسلامی جماعت کو تیار کرنے کے لیے کس قدر جدوجہد کی گئی۔

اب سیاق کلام منافقین کی طرف پھرتا ہے۔ یہ لوگ یہودیوں کے ساتھ گہری دوستی اور راہ ورسم رکھتے تھے۔ ان کے بعض حالات کھولے جاتے ہیں اور ان کو دھمکی دی جاتی ہے کہ تمہارے سب کرتوت اب چھپے نہیں رہے اور تمہارا انجام بہت ہی برا ہونے والا ہے۔ دعوت اسلامی تمہاری تمام سازشوں کے باوجود اب کامیابی کی راہ پر گامزن ہے۔